پڑوسی

شیخ الحدیث مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم۔

شیخ الحدیث مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم نہ صرف حدیث وتفسیر فقہ وافتاء اور سلوک واحسان کے مسند نشیں ہیں بلکہ صاحب طرز ادیب بھی ہیں۔ حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم معاشرتی نبض شناس ہیں اور ان کے رشحات قلم معاشرے کے عکاس ہوتے ہیں اصلاح معاشرے کے حوالے سے حضرت کے مضامین ایک خاص اثر لئے ہوتے ہیں۔ زیر نظر مضمون اور اس سے قبل شائع ہونے والے چند مضامین حضرت کے مجموعہ مضامین' ذکر وفکر' سے لئے گئے ہیں۔

ابوحمزہ سکریؒ رحمہ اللہ حدیث کے ایک راوی گُزرے ہیں "سکر "عربی زبان میں چینی کو کہتے ہیں اور انکے تذکرہ نِگاروں نے لکھا ہے کہ انہیں "سکری"اس لئے کہا جاتا تھا کہ ان کی باتیں ان کا لہجہ اور اُنکا اندازِ گفتگو بڑا دلکش اور شیریں تھا ،جب وہ بات کرتے تو سننے والا ان کی باتوں میں محوُ ہوجاتا تھا۔وہ بغداد شہر کے ایک محلّے میں رہتے تھے کچھ عرصے کے بعد انہوں نے اپنا مکان بیچ کر کسی دوسرے محلّے میں منتقل ہونے کا ارادہ کیا خریدار سے معاملہ بھی تقریباً طے ہوگیا۔اتنے میں ان کے پڑوسیوں اور محلّہ داروں کو پتہ چلا کہ وہ اس محلے سے منتقل ہوکر کہیں اور بسنے کا ارادہ کررہے ہیں ۔چنانچہ محلّہ والوں کا ایک وفد ان کے پاس آیا اور انکی منت سماجت کی کہ وہ یہ محلّہ نہ چھوڑیں ۔ جب ابوحمزہ سکری نے اپنا عذر بیان کیا تو تمام محلّہ والوں نے متفقہ طور پرانہیں یہ پیشکش کی کہ آپ کے مکان کی جو قیمت لگی ہے ہم وہ قیمت آپ کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کرنے کو تیار ہیں لیکن آپ ہمیں اپنے پڑوس سے محروم نہ کیجئے ۔جب انہوں نے محلے والوں کا یہ خلوص دیکھا تو منتقل ہونے کا ارادہ ملتوی کردیا۔ ابوحمزہ سکری رحمہ اللہ کی مقبولیت کی ایک وجہ ان کی سحر انگیز شخصیت بھی ہوگی لیکن بڑی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے پڑوسی کے حقوق کے بارے میں اسلامی تعلیمات پر عمل کرکے ایک مثال قائم کی تھی ،قرآن کریم نے پڑوسی کے ساتھ حسن وسلوک کی باربار تاکید فرمائی اور رسول کریم ﷺ نے بہت سے مواقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرے پاس جبرائیل امین علیہ السلام آئے اور مجھے پڑوسی کے حقوق کی اتنی تاکید کرتے رہے کہ مجھے گُمان ہونے لگا کہ شاید وہ پڑوسی کو ترکے میں وارث قرار دیدیں گے۔ قرآن وسُنت کی ان تعلیمات کے سائے میں جو معاشرہ پروان چڑھا اس میں پڑوسی کی حیثیت ایک قریبی رشتہ دار سے کم نہ تھی۔ایک ساتھ رہنے والے نہ صرف ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک تھے بلکہ ایک دوسرے کیلئے ایثار وقربانی کرکے خوشی محسوس کرتے تھے۔

1963ء میں جب میں سعودی عرب گیا تو وہاں کے ایک باشندے نے مجھے اپنا واقعہ سنایا کہ ایک مرتبہ میں کپڑا خریدنے کیلئے بازار گیا ،ایک دکان میں داخل ہوکر بہت سے کپڑے دیکھے،دکاندار پوری خوش اخلاقی سے مجھے مختلف کپڑے دکھاتا رہا۔

بالآخر میں نے ایک کپڑا پسند کرلیا دکاندار نے مجھے قیمت بتلادی میں نے دکاندار سے کہا کہ مجھے یہ کپڑا اتنے گز کاٹ کر دیدو،اس پر دکاندار ایک لمحے کیلئے رُکا اور اس نے مجھ سے کہا آپ کو یہ کپڑا پسند ہے؟ میں نے کہا جی ہاں ، کہنے لگا قیمت بھی آپ کی رائے میں مناسب ہے؟ میں نے کہا جی ہاں،اس پر اس نے کہا آپ میرے برابر والی دکان پر چلے جایئے اور وہاں سے یہ کپڑا اسی قیمت پر لے لیجئے۔میں بڑا حیران ہوا اور میں نے اس سے کہا کہ میں اس دکان پر کیوں جاؤں میرا معاملہ تو آپ سے ہوا ہے ،کہنے لگا آپ کو اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں ،آپ کو جو کپڑا چاہیئے وہ وہاں موجود ہے اور آپ کو اسی قیمت میں مل جائے گا جاکر وہاں سے لے لیجئے۔میں نے کہا پہلے مجھے وجہ بتایئے کیا وہ آپ ہی کی دکان ہے ؟اس نے کہا نہیں اب میں بھی اڑ گیا اور میں نے اصرار کیا کہ جب تک آپ مجھے وجہ نہیں بتائیں گے میں اس دکان پر نہیں جاؤں گا۔ آخر کا اس نے زچ ہوکر کہا آپ خواہ مخواہ بات لمبی کررہے ہیں بات صرف اتنی ہے کہ میرے پاس صبح سے ابتک بہت گاہک آچکے ہیں اور میری اتنی آمدنی ہوچکی ہے کہ میرے لیے آج کے دن کے حساب سے کافی ہوسکتی ہے ۔لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ میرا پڑوسی دکاندار صبح سے خالی بیٹھا ہے اس کے پاس کوئی گاہک نہیں آیا اسلئے میں چاہتا ہوں کہ اس کی بھی آمدنی ہوجائے آپ کے وہاں چلے جانے سے اس کا بھلا ہوجائے گا،آپ کا اس میں کیا حرج ہے؟

یہ اس معاشرے کی ایک بچی کچھی جھلک تھی جس میں مُسرت اور کامیابی محض پیسوں کی گنتی کا نام نہیں تھا بلکہ روح کے اس سکون اور قلب وضمیر کے اس اطمینان کا نام تھا جو اپنے کسی بھائی بہن کا دکھ دور کرکے یا اس کے چہرے پر مُسکراہٹ لاکر حاصل ہوتا ہے۔جب قرآنِ کریم نے انصار مدینہ کی تعریف کرتے ہوئے یہ فرمایا تھا کہ چاہے وہ خود مفلسی کا شکار ہوں مگر دوسرے کیساتھ ایثار کا معاملہ کرکے انہیں اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں تو درحقیقت انکی اسی صفت کی مثال دیکر مسلمانوں کو انکی پیروی کی ترغیب دی تھی۔یوں تو ایثار کا یہ معاملہ ہرشخص کیساتھ قابل تعریف ہے ۔لیکن خاص طور پر پڑوسی اس کا زیادہ حقدار ہے اسی لئے قرآن و سنت نے اسکی زیادہ ترغیب دی ہے۔

جدید شہری زندگی نے جہاں ہماری بہت سے قدریں بدل ڈالی ہیں وہاں پڑوس کی اہمیت کا تصور بھی بری طرح دُھندلا دیا ہے اوّل تو کوٹھی بنگلوں کے مکین پڑوس کا مفہوم ہی بھولتے جارہے ہیں ۔بعض دفعہ مدتوں پاس پاس رہنے کے باوجود وہ ایک دوسرے سے ناواقف رہتے ہیں اور اگر کہیں پڑوس کی اہمیت کا تصور موجود ہے تو عام طور سے انہی پڑسیوں کیساتھ مخصوص کردیا گیا ہے جو رتبے یا معاشی حالت کے اعتبار سے اپنے برابر یا قریب قریب ہوں چنانچہ کوٹھی بنگلے میں رہنے والا کسی دوسرے کوٹھی کے مکین ہی کو اپنا پڑوسی سمجھتا ہے اور اگر اس کے پاس کچھ لوگ جھونپڑیوں یا معمولی مکانات میں رہ رہے ہوں تو انہیں عام طور سے نہ پڑوسی سمجھا جاتا ہے نہ پڑوسی جیسے حقوق دیئے جاتے ہیں ایسا بہت کم دیکھا گیا ہے کہ کسی عالیشان بنگلے میں رہنے والا اپنے قریب کسی جھونپڑی والے کی خبر گیری ،اس کی بیمار پرسی یا محض ملاقات کیلئے جاتا ہو،حالانکہ ایسے پڑوسی ایثار ومحبت کے زیادہ مستحق ہیں۔

دارالعلوم دیوبند کے مفتی اعظم مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ علمی اور دینی اعتبار سے تو بلندمقام کے حامل تھے ہی اپنی خاندانی وجاہت کے اعتبار سے بھی ممتاز تھے لیکن ان کا روزانہ معمول یہ تھا کہ وہ اپنے فرائض کی ادائیگی کیلئے دارالعلوم جانے سے پہلے اپنے قریب معمولی مکانات میں بسنے والی بیواؤں اور بے سہارا خواتین کے پاس جاتے ، ہرایک سے پوچھتے کہ انہیں بازار سے کیا سوداسلف منگانا ہے اور بہت سے خواتین کے بتائے ہوئے سودے کی ایک فہرست لیکر خود بازار جاتے ہر خاتون کا سوداسلف خود خریدتے اور ہر ایک کو پہنچاتے بعض اوقات ایسا بھی ہوتا کہ کوئی خاتون کہتی مفتی صاحب ! آپ یہ چیز غلط لے آئے ہیں میں نے تو فلاں چیز منگائی تھی،یا اتنی تعداد میں منگائی تھی۔ مفتی صاحب خندہ پیشانی سے فرماتے معاف کرنا بی بی مجھ سے غلطی ہوگئی میں ابھی بدل کر وہ چیز لے آتا ہوں اوراس طرح وہ نہ جانے کتنے ٹوٹے دِلوں کی دُعائیں سمیٹ کر اور ان کی خدمت کے سرور سے دل آباد کرکے اپنے دن کی مصروفیات کا آغاز کرتے تھے۔آج تقریباً ہرشخص اَسباب راحت کی فراوانی کے باوجود ایک انجانی سے بےچینی اوردل کی ایک بے نام سی کسک میں مبتلا ہے۔

اور بقول جناب نظرامروہوی۔

کوئی الجھن نہیں ،لیکن کسی الجھن میں رہتا ہے
عجب دھڑکا سا ہردم دل کی ہردھڑکن میں رہتا ہے

اس انجانی بے چینی کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم نے روپے پیسے کی گِنتی ہی کو زندگی کا مقصد سمجھ لیا ہے اور مال ودولت کی دوڑ سے آگے کچھ سوچنے کیلئے تیار نہیں چنانچہ ہم رُوح کے اس اِطمینان اور دل کے اس سرور سے محروم ہوتے جارہے ہیں ۔جو اپنی کسی بھائی بہن کی خدمت کرکے اور اس کیلئے کوئی قُربانی دے کر حاصل ہوتا ہے جو زندگی کو اپنے خَالق و مَالک کے تابع فرمان بنانے اور اسکے حکم کے آگے اپنی ناجائز خواہشات کو کچلنے کا نقد انعام ہوتا ہے ۔قلبی سکون کا یہ نقد انعام بسا اوقات کچے مکان اور دال روٹی کی معمولی معیشت میں بھی حاصل ہوجاتا ہے اور اگر اس کی شرائط پوری نہ ہوں تو عالیشان کوٹھیوں اور چمکدار کاروں میں بھی حاصل نہیں ہوتا ،اس صورت میں کوٹھی بنگلوں کی چمک دمک دل میں چھپی ہوئی بے چینیوں کا علاج نہیں کرسکتی۔کوئی شک نہیں کہ آج کی شہری زندگی بہت مصروف ہوگئی ہے

لیکن یہ مصروفیت زیادہ تر روپے پیسے کی گنتی بڑھانے ہی کیلئے ہے لہٰذا اگر سکون قلب بھی کوئی حقیقی نعمت ہے جسے حاصل کرنے کی فکر کی جائے تو انہی مصروفیتوں میں تھوڑا سا وقت اس کام کیلئے بھی نکالنا پڑے گا جس میں اپنے آس پاس بسنے والوں کی زندگی میں جھانک کر دیکھا جاسکے اور انکے دکھ دور کرنے کی کوئی امکانی سبیل تلاش کی جاسکے۔ چوبیس گھنٹے کی مصروفیات میں نکالے ہوئے یہ چند لمحات جو اس کام میں خرچ ہوں گے انشاءاللہ وہ کام کر جائیں گے۔ جو دن بھر کی بھاگ دوڑ سے حاصل ہونے والی ریل پیل انجام نہیں دے جاسکتی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆